

Bashir Tabeer Soomro "A Soul of Love and Expression"

طالب حسین کھوکھر

لیکچرر - گورنمنٹ ڈگری کالج میرپور ماتھیلو
محکمہ کالج ایجوکیشن حکومت سندھ، پاکستان
محببتوں کا اسیر، سومرو بشیر تعبیر

Talib Hussain Khokhar

Lecturer, Government Degree College Mirpur Mathelo, Education Department
Government of Sindh, Pakistan. Email: talibhussainkhokhar786@gmail.com

DOI: <https://doi.org/10.63163/jpehss.v3i3.679>

Abstract

Bashir "Tabeer" Soomro was born on 10 October 1943 in Khambhra, district Ghotki. Coming from a humble family of teachers. "He began his career as a primary school teacher and later served as a high school teacher" Alongside teaching, his passion for art, literature, and music shaped his identity. In the 1960s, when cinema was rare in small towns, he joined the "Soz Drama Club" in Obaro, where under the mentorship of Muhammad Nazar M. Soz Bhurtpuri, he learned the art of Urdu poetry. Though fond of music since childhood, he formally pursued it at the age of fifty by learning harmonium and music from Ustad Abdul Sattar Anwari. After years of practice, he became known for soulful performances. Spiritually inclined, he became a disciple of Sufi Saint Syed Anwar Ali Shah of Jahanpur Sharif, dedicating himself to Sufi teachings and compiling Urdu, Punjabi, and Saraiki literary works of the shrine. His poetry collection Aatish-e-Hijr reflects his central philosophy: love. For him, love was the eternal force connecting humans with one another and with the Creator. Like great Urdu poets and Sufi saints, "Shah Abdul Latif Bhittai, Bulleh Shah, Khawaja Ghulam Farid—Bashir" "Tabeer" carved his own unique place in literature, blending devotion, humanity, and aesthetics.

بشیر "تعبیر" سومرو کی پیدائش صاحب ڈنو سومرو کے گھر ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو "کھمبرا" میں ہوئی، بشیر سومرو کے دادا محترم شکارپور سے ہجرت کر کے کھمبرا میں سکونت اختیار کی۔ دنیا کا کوئی بھی خطہ ہو حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتے، کھمبرا کے خراب حالات کی بدولت گھوٹکی کے صدر مقام میرپور ماتھیلو ہجرت کی، مرحوم صاحب ڈنو کے تین بیٹے تھے۔ "بشیر احمد" دوسرے نمبر پر تھے، "بشیر احمد" ایک پیشور استاد بنے درس و تدریس سے فارغ اوقات میں خود کو مصروف رکھنے کے لیے اپنی طبیعت کے مطابق آرٹ سے منسلک ہوئے۔ اوہاڑو شہر میں قائم "سوز ڈراما کلب" میں ایک میمبر کی حیثیت سے شمولیت اختیار کی۔ وہاں اس کی ملاقات "ایم سوز بھرتپوری" سے ہوئی، جو اردو کے بہترین شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے آرٹسٹ اور صحافی بھی تھے۔ مشہور ڈراما نویس "آغا حشر کاشمیری" کے شاگرد ہونے کے باعث ایک قابل کہانی نویس اور اسٹیج ڈائریکٹر تھے۔ اس وقت ایک ساتھ شائع ہونے والی اخبارات "جنگ، کوہستان اور رہبر" کے رپورٹر بھی تھے، اور احسن طریقے سے صحافتی ذمہ داریاں ادا کرتے تھے۔ "بشیر تعبیر" نے سوز بھرتپوری سے ہی اردو شاعری سیکھی، اور بھرتپوری کے بہترین شاگردوں میں شمار ہو گئے۔ فقراء کے آستانوں پر جانا اور موسیقی سے دلچسپی رکھنا اس کی طبیعت میں شامل تھا اس لیے وہ اکثر اس مشغلے میں مصروف رہتے تھے۔ آخر اس مشق کا سفر بیس سال میں پورا ہوا، اب "بشیر تعبیر" پچاس سال کی عمر میں اسٹیج پر سامعین اور ناظرین کی پسندیدہ شخصیت بن گئے تھے۔ "بشیر تعبیر" اچھے شاعر، موسیقار ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے مؤلف بھی

تھے۔ اولیاء اللہ سے قربت و محبت ہونے کے باعث عمر کا اکثر حصہ درگاہ جہانپور شریف میں گزرا۔ اور وہاں درگاہ سے منسلک تالیف شدہ تمام ادب "بشیر تعبیر" کا مرہون منت ہے۔ "بشیر تعبیر" کی اردو شاعری کا مجموعہ "آتش ہجر" سنبارہ پبلیکیشن سے شائع ہو چکا ہے۔ عالم انسانیت میں دانشمندیوں کا ماننا ہے کہ، انسانیت کا معراج محبت ہی سے ممکن ہے اور محبت ہی انسانیت کی اصل روح ہے دنیا کے بڑے بڑے عقلمندوں اور علماء نے محبت کو انسانیت کی اصل روح قرار دیا ہے محبت ہی زندگی کا خوبصورت احساس ہے، جس کے بغیر انسانی زندگی کی خوبصورت ارتقاء ناممکن ہے۔ انسان کو انسان سے جڑنا یا بندے کو خدا سے جڑنا ہو، محبت ہی وہ واحد ابدی قوت ہے جو پوری کائنات کی بنیاد ہے۔ اسلامی حوالے ہوں یا ادبی حوالے ہوں، معاشرتی حوالے ہوں یا فلسفی ہر طرح سے انسانیت کی بنیاد اور اہم جز محبت ہی ہے۔

اردو ادب میں محبت کو کثرت سے بیان کیا گیا ہے اردو شعراء و ادباء نے محبت کو مختلف صورتوں میں پیش کیا ہے، کبھی حسن و جمال کی شکل و صورت میں تو کبھی فلسفہ کی صورت و شکل میں، کبھی انسانیت و ایثار کی شکل و صورت میں تو کبھی محبت کو روحانی کمالات سے متصف کیا ہے۔

اردو ادب میں، محبت کو خوبصورت پیرائے میں بیان کرنے والے شعراء و ادباء کے بے شمار نام ہیں، جن میں، خواجہ میر درد، میر تقی میر، مرزا غالب، فیض احمد فیض، اشفاق احمد، بانو قدسیہ، ناصر کاظمی، احمد فراز، پروین شاکر اور ان سب کے ساتھ بشیر تعبیر بھی اپنے احساسات کے ساتھ الگ، خوبصورت اور منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔

محبت خالق تک رسائی کا ذریعہ بھی ہے جسے ہمارے صوفی شعراء نے معرفت الہی کا ذریعہ قرار دیا ہے جن میں حضرت شاہ عبد اللطیف بھٹائی، بلے شاہ اور خواجہ غلام فرید قابل ذکر ہیں

بامقصد زندگی میں مقصد سے محبت ہونا لازمی ہے محبت سے ہی زندگی کے اصل رنگ ڈھنگ نظر آتے ہیں۔ اور اگر مقصد ہی محبوب شخصیت ہو تو زندگی اپنے اصل رنگ میں نظر آنے لگتی ہے جہاں احساسات اور جذبات کی قدرانی محبت کے حقیقی رنگ کو چھوتی ہے محبت ہی "بشیر تعبیر" کی شاعری کا اصل موضوع ہے۔ "بشیر تعبیر" لکھتے ہیں۔۔۔

"جب بچھڑنے کی بات کرتے ہو

میرے مرنے کی بات کرتے ہو" (1)

"بشیر تعبیر" کو مختصر بحر میں لکھنے کے ساتھ ساتھ طویل بحر میں لکھنے کا بھی ملکہ حاصل ہے محبت آدمی میں انسانیت بیدار کرتی ہے محبوب کے ساتھ گزرنے والی زندگی ہی اصل میں پرکیف اور زندگی کا خوبصورت حصہ ہے جبکہ ہجر موت ہے بلکہ موت سے بھی بدتر ہے۔ "بشیر تعبیر" کے نزدیک محبت زندگی کا وہ جوہر ہے، جس میں احساس ہوتا ہے کہ، محبوب اتنا لازمی ہے جتنا "ہوا سانسوں کے لیے" اہم ہے۔ انسان کی روح محبوب کو ایسے تلاش کرتی ہے جیسے "پاؤں زمیں کو" "بشیر تعبیر" اپنی دلی کیفیت بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب بھی اس کا محبوب اس سے دور ہونے کی بات کرتا ہے، اس سے الگ ہونے کی بات کرتا ہے تو "بشیر تعبیر" کی سانسوں میں رک جاتی ہیں، ایسے لگتا ہے کہ ماحول میں سے آکسیجن ختم ہو رہی ہو، اور آدمی آہستہ آہستہ موت کی وادی میں اتر رہا ہو۔ شعری لوازمات کو دیکھیں تو "بشیر تعبیر" نے شعر میں جو روانگی اور نغمگی پیدا کی ہے وہ ان کا خاصہ ہے۔ بچھڑنے اور مرنے کے درد کو بڑے بڑے شعراء نے موضوع بنایا ہے، یہ ہجر و جدائی اور مرنے کا درد اکثر و بیشتر محبوب کی بے رخی کے باعث پیدا ہوتا ہے محبت میں بچھڑنا موت کے مترادف ہے، اور وصل ایک نئی زندگی جس! بچھڑنے کا وقت ہی آخری وقت ہے اس کے بعد نہ دن ہے نہ رات، بشیر تعبیر کا موضوع بھی ناصر کاظمی کے موضوع کی طرح ہی ہے واردات قلبی ایک جیسی ہے، ناصر کاظمی کہتے ہیں۔۔۔

"بچھڑ کے تجھ سے ملاقات اب کہاں ہوگی

کہ دن تو وہ بھی نہیں اور رات اب کہاں ہوگی" (2)

کسی بھی حالات میں فطرت کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ فطرت اپنا کام کر کے دکھاتی ہے۔ عشق و محبت کے معاملات میں، حاکمانہ نظام جو ہر طرح سے جابر و غاصب رہا ہے، مگر عشق و محبت کے معاملات میں عاشق اپنے محبوب کو پانے کے لیے ان جابر جاگیر داروں سے دست و گریباں ہو جاتا ہے۔ اور اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، ظاہری طور پر جاگیردار جیت جاتے ہیں مگر حقیقت میں فطرت جیت جاتی ہے۔ اور ان کی حویلیوں کے دریچے کھلے رہ جاتے ہیں جو عاشق کی جیت کا ان مٹ نشان ہوتا ہے

"ہاں دریچہ، کھلا تو رہتا ہے

وہ نہ جھانکے، گلا تو رہتا ہے" (3)

عشق و محبت کو ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ کیوں کہ یہ فطری عمل ہے۔ حاکمانہ نظام کے حکمران جو جابر و غاصب جیسی غیر فطری اوصاف کے مالک ہیں وہ کتنی ہی اونچی دیواریں بنوائیں مگر محبت جو فطری عمل ہے وہ ہر کر رہے گا چاہے فلک بوس دیواریں ہوں یہ واردات ان کے ہی گھر سے ہو کے رہے گی۔ کیونکہ فطرت کو دبایا نہیں جا سکتا۔ یہ اونچی دیواریں یہ سخت پہرے پھر بھی حویلی کا کھلا دریچہ اس حاکمانہ، ظالمانہ، جابرانہ اور غاصبانہ نظام کے خلاف کھلا احتجاج ہے۔ "بشیر تعبیر" عشق و محبت کے خلاف جاگیردارانہ سماج کو فطرت "عشق و محبت" کو جس حسن سلیقے سے خلاف قرار دیتے ہیں یہ ان ہی کا کمال ہے جہاں محبت اور احساس آکسیجن کی حیثیت رکھتی ہو وہاں محبت کو سنگ و خشت سمجھنے والے لوگ ایسی عمدہ واردات قلبی سے خالی ہوتے ہیں جن میں زندگی کی دلکشی

اور خوبصورت احساس پوشیدہ ہوں جہاں معاشرتی جبر احساس اور محبت کو ریزہ ریزہ کر دیا گیا ہو وہاں احساس نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی ایسا معاشرہ ظلم و جبر کی علامت کہلاتا ہے۔ بشیر تعبیر اور مرزا غالب کی قلبی واردات میں مماثلت پائی جاتی ہے اور دونوں نے ایک ہی موضوع کو بہت ہی سلیقے سے نظم کیا ہے۔ مرزا غالب فرماتے ہیں

"دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ اٹے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں"

(4)

ایک شعر میں تعبیر صاحب محبوب کے حُسن میں گرفتار ہو کر کہتے ہیں،

"کیا اڑے گا دلِ طائر، جبکہ کاٹے پر گئے
دل لگا ان سے ہم تو، دل کے ہاتھوں مر گئے"

(5)

معاشرتی ناہمواری کے باعث عشق و محبت جیسے لازوال عنصر ہمیشہ نقصان میں رہے ہیں "بشیر تعبیر" اس نقصان کو جانتے ہوئے بھی اس عمل میں گرفتار ہونے کو تیار بیٹھے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اس عمل میں رقیب کی سختیاں سہتے سہتے جان بھی جا سکتی ہے، مگر حالت دل سے مجبور ہو کر دشمن جان کو محبوب بنا لیتے ہیں۔ اور اس ظالم صفت رقیب کی ساری سختیاں اور ساری تکالیف برداشت کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ اور دماغ کے بجائے دل کی بات کو ترجیح دیتے ہیں۔ محبت کی سزا بھی عجیب ہوتی ہے جو دل محبت میں گرفتار ہو جائے اور کسی زندان میں ڈال دیا جائے اس کے فرار ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی مگر پھر بھی جابر کا جبر اپنی حد سے گزر جاتا ہے زندان میں ڈالنے کے بعد اس طائر دل کے پر بھی کاٹ دیے جاتے ہیں تاکہ اگر زندان سے نکلنے کی کوئی صورت بن بھی جائے تو کٹے ہوئے پر اس کی مجبوری بن جائے بشیر تعبیر اور احمد فراز کا مشاہداتی موضوع ایک ہی ہے اور دونوں نے اسے اچھے سلیقے سے نظم کیا ہے احمد فراز فرماتے ہیں

"محبت کی سزا ایسے بھی ملے گی نہ تھی خبر
دل کو قفس میں ڈال کر پر بھی کتر گئے"

(6)

ہر عاشق کے لیے محبوب کا ہر جلوہ ہر ادا شاہکار ہے، محبوب کی ہر ادا دلربا اور دلکش ہے۔ جو ہمیشہ عشاق کے دل پر قابض رہی ہے یہ خوبصورتی اور رعنائی جتنی پرانی ہے اتنی ہی وسیع بھی ہے خوبصورتی ایسا کلاسک عنصر ہے جو ہر عاشق کا موضوع اور ہر محبوب کا ہتھیار رہا ہے۔ یہ ہر دور کا مقبول ترین عنصر رہا ہے اس موضوع پر "بشیر تعبیر" زور قلم دکھاتے ہیں کہ۔

"کج ادائی نے تیری یار ہمیں مارا ہے
بس یہ انداز تیرا سب سے ہمیں پیارا ہے"

(7)

جس طرح عشق محبت اور خوبصورتی دنیا کے لازوال عنصر ہیں، اور ہر خوبصورتی ہر مخصوص شخص کے لیے الگ درجہ رکھتی ہے اور وہ خوبصورتی صرف اس مخصوص شخص کے لیے لازوال ہے۔ بالکل اسی طرح لاپرواہی، طنز و تکلف بھی اپنے انداز میں لازوال حیثیت رکھتے ہیں جہاں جہاں محبت ہے، وہاں لاپرواہی اور طنز و تکلف بھی موجود ہیں۔ پھر بھی عشاق اپنی الگ حیثیت رکھتے ہیں جن کو محبوب کے یہ طنز و تکلف والے انداز یہ لاپرواہی سب خوبصورت لگتے ہیں۔ اور وہ ہر حال میں محبوب کے ایسے ظالمانہ انداز پر مر مٹنے کو تیار رہتے ہیں ایسا ہی کچھ حال "بشیر تعبیر" کا بھی ہے۔ محبوب کی بے مروتی، کج ادائی ہی ناز و انداز لگنے لگتی ہے کیوں کہ عاشق کی جو تڑپ ہے وہ لا محدود ہے محبوب کا ہر ظلم و جبر عاشق کو اس کا بہترین عمل لگتا ہے اور ایسے عمل کے بعد بھی عاشق ہمیشہ محبوب پر فدا رہتا ہے اور اگر محبوب کی طرف سے اچھا رویہ، محبت مل بھی جائے تو عاشق کی لا محدود تڑپ ہمیشہ زیادہ کی طلبگار رہتی ہے بشیر تعبیر کا موضوع بھی مرزا غالب کے موضوع کی طرح شاہکار ہے مرزا غالب کہتے ہیں

"وہ فتنہ گر وہ سراپا ناز، وہ رشک حور
اگر وہ مل بھی جائے تو کہیں گے کہ کچھ ملا ہی نہیں"

(8)

لاپرواہی طنز و تکلف جو عاشق کو تڑپانے والے عناصر ہیں اور ہمیشہ عاشق کو تکلیف میں مبتلا رکھتے ہیں "بشیر تعبیر" کا خیال ہے کہ

"ریزہ ریزہ ہے جگر، جیسے کسی ظالم نے
سنگ شیشے پہ بڑے زور سے دے مارا ہے"

(9)

"بشیر تعبیر" بہت ہی حساس طبیعت کے مالک ہیں، محبوب کے ہاتھوں ریزہ ریزہ کی گئی دل کی حالت بیان کرتے ہیں کہ، میرا دل محبوب کے ظلم و ستم سہتے سہتے ریزہ ریزہ ہو گیا ہے، بالکل ایسے جیسے کسی نے کوئی مضبوط پتھر بہت زور سے شیشے پر مارا ہو اور شیشہ ریزہ ریزہ ہو کر ان گنت ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے جو جڑنے کے قابل نہ رہے، اور اگر کوئی شاہکار شیشہ گر اسے جوڑ بھی دے تو اس میں کوئی مکمل عکس دکھائی نہ دے بقول "بشیر تعبیر" اس کے ظالم صفت محبوب نے اس کے نرم و نازک دل کے ساتھ اس شیشے جیسا سلوک کیا ہے جو مکمل عکس دکھانے

کے قابل نہیں رہا۔ احمد فراز حالت دل بیان کرتے ہیں کے عاشق کی بے قراری سے واقف محبوب جب ظلم کرنے کا سوچتا ہے تو اپنی کیفیت میں اداسی بھر دیتا ہے محبوب کی اداسی بھی عاشق کو گوارا نہیں ہوتی، محبوب کی اداسی کی وجہ سے عاشق ایک خطرناک اذیت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور محبوب عاشق کو تکلیف دینے والے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے اور "عاشق کا دل ایسے ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے جیسے کسی ظالم شخص نے پتھر شیشی پر بڑے زور سے مارا ہو" بشیر تعبیر ہوں یا احمد فراز دونوں نے محبوب کے ظلم کا مضمون ایک ہی پیرائے میں نظم کیا ہے احمد فراز کہتے ہیں -

"سنا ہے وہ بھی ہمیں دیکھ کر اداس ہوا
سو اپنی جان کو اذیت پر ہم نے را ضی کیا" (10)
اردو ادب میں صنعت تلمیح کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے، اور شعراء نے صنعت تلمیح کو مسیحائی کردار کے طور پر بہت بیان کیا ہے۔ "بشیر تعبیر" بھی اس لازوال کردار کو دہراتے ہوئے کہتے ہیں کہ
"کرم کی اک نظر اگر، ادھر وہ کاش کریں
مسیحا ہیں وہ میرے زندہ میری لاش کریں"

(11)
"بشیر تعبیر" لازوال مسیحی کردار کو دہراتے ہیں، مگر "بشیر تعبیر" کا مسیحی کردار اصل مسیحی کردار سے الگ اور اچھوتی حیثیت رکھتا ہے جس میں صرف نظروں سے کام لیا جاتا ہے، "بشیر تعبیر" کا محبوب اس کا مسیحا ہے جو صرف ایک نظر سے عمر جاودانی بخشنا ہے۔ "بشیر تعبیر" نے شعر کو بہت ہی عمدہ معنوی خوبیوں سے آراستہ کر دیا ہے، جس سے شعر میں کمال کا حسن اور روانی پیدا ہو گئی ہے۔ "بشیر تعبیر" کا یہ بہت ہی عمدہ اسلوب ہے کہ، اس کا تخیل شعر کو ایک الگ حیثیت بخشنا ہے جو عام شعراء کے تخیل میں نہیں آتا۔ ناصر کاظمی اور بشیر تعبیر کے مضمون میں بڑی مماثلت پائی جاتی ہے دونوں اپنے محبوب کو مسیحا مانتے ہیں اور دونوں کی مسیحا ئی نظروں سے ٹپکتی ہے صرف ایک نظر سے عاشق کو زندہ کر کے عمر جاودانی عطا کر دیتے ہیں دونوں کے محبوب نظروں سے مسیحائی کردار ادا کرتے ہیں جو بالکل نیا اور منفرد انداز ہے

"اک نظر کی بھیگی رم جہم سے سب کچھ دھل گیا
میں نے اس پر پھر سے جینے کی قسم کھائی" (12)

بشیر تعبیر ہو ناصر کاظمی ہو یا پروین شاکر سب کی قلبی واردات ایک جیسی ہے پروین شاکر کا محبوب بھی نظروں کی مسیحائی رمز ادا کرتا ہے، بشیر تعبیر، ناصر کاظمی کے ساتھ ساتھ پروین شاکر بھی نظروں کے مسیحائی کردار سے متاثر ہے یہ انداز اور موضوع بہت ہی منفرد اور شاہکار ہے۔

کاش وہ دیکھ لے اک بار پلٹ کر مجھ کو
ہمارے دل کی کلی پھر سے کھل اٹھے (13)

اس معاشرتی ضرورت کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ، معاشرے کو خوشیوں سے بھر دیا جائے۔ اس کو خوبصورت ترین بنا دیا جائے یہ صرف اور صرف محبت سے ہی ممکن ہے۔ محبت معاشرے کا وہ حسین شاہکار ہے، جس سے زندگی میں بہت ہی حساسیت پیدا ہوتی ہے، انسان کے دل و دماغ سے نفرت مٹ جاتی ہے اور انسان اپنی اصل زندگی جینے لگتا ہے جس کی بدولت ہر انسان کے لیے احترام پیدا ہونے لگتا ہے، اور معاشرہ ان مٹ رنگوں میں رنگ جاتا ہے۔ "بشیر تعبیر" نے معاشرے میں مشاہدتی طور پر جن عناصر کو دیکھا جو جو حسد اور نفرت کا باعث ہیں ان کا متبادل بیان کیا جس سے حسد اور نفرت کا مٹ جانا لازمی ہے۔ اور وہ صرف اور صرف محبت ہی ہے

نتیجہ

محبت ہی وہ قوت ہے جو معاشرے کو حسین اور خوبصورت بناتی ہے جس سے انسانیت کا معراج ہوتا ہے اور زندگی اپنے اصل رنگ میں ظہور پذیر ہوتی ہے، خوبصورتیوں اور رعنائیوں سے بھرپور اور مکمل معاشرہ تشکیل پاتا ہے اور معاشرے میں موجود نفرت، حسد اور تمام تر چالبازیوں کا وجود ہمیشہ کے لیے مٹ جاتا ہے

حواشی و حوالہ جات

1- بشیر تعبیر سومرو، آتش ہجر (سمبارا پرنٹرز اینڈ پبلشرز حیدرآباد جنوری 2018) ص 53

2- ناصر کاظمی، برگ نے سوختا (علم و عرفان پبلشرز لاہور جولائی 2022) ص 45

- 3- بشیر تعبیر سومرو، آتش بجر (سمبارا پرنٹرز اینڈ پبلشرز حیدرآباد جنوری 2018) ص 76
- 4- مرزا غالب، دیوان غالب (انجمن ترقی اردو دہلی اپریل 1971) ص 397
- 5- بشیر تعبیر سومرو، آتش بجر (سمبارا پرنٹرز اینڈ پبلشرز حیدرآباد جنوری 2018) ص 78
- 6- احمد فراز، جاناں جاناں (دوست پبلیکیشنز مئی 2015) ص 88
- 7- بشیر تعبیر سومرو، آتش بجر (سمبارا پرنٹرز اینڈ پبلشرز حیدرآباد جنوری 2018) ص 53
- 8- مرزا غالب، دیوان غالب ((انجمن ترقی اردو دہلی اپریل 1971) ص 138
- 9- بشیر تعبیر سومرو، آتش بجر (سمبارا پرنٹرز اینڈ پبلشرز حیدرآباد جنوری 2018) ص 76
- 10- احمد فراز، جاناں جاناں (دوست پبلیکیشنز مئی 2015) ص 91
- 11- بشیر تعبیر سومرو، آتش بجر (سمبارا پرنٹرز اینڈ پبلشرز حیدرآباد جنوری 2018) ص 78
- 12- ناصر کاظمی، برگ نے سوختا (علم و عرفان پبلشرز لاہور جولائی 2022) ص 90
- 13- پروین شاکر، خوشبو (ایم آر پبلیکیشنز نیو دہلی اگست 2008) ص 87